132 بچوں کی شہادت بھی کرکٹ میچ نہ روک سکی!

تحریر: سہیل احمد لون

باپ بچوں کے سنہری مستقبل کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے، اسے دماغی محنت کرنی پڑے یا جسمانی مشقت بڑی دلیری سے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرتا ہے، دیس یا پردیس کہیں کی بھی خاک چھاننی پڑے وہ نہیں گھبراتا۔ باپ جتنے بھی مضبوط اعصاب اور جسم کا مالک ہو اس کے لیے اپنے بچے کا جنازہ اٹھانا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ ماں جسے دنیا میں خدا کا دوسرا روپ تصور کیا جاتا ہے جس کے قدموں تلے جنت ہے مگر جب ماں کی گود کوئی انسان نما درندہ اجاڑ دے تو ماں کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ 16 دسمبر پاکستان کی تاریخ میں سقوط ڈھاکہ کی وجہ سے سیاہ دن تصور کیا جاتا تھا مگر پشاور میں اسی تاریخ کو پھولوں کے نشیمن کو جس بے دردی سے اجاڑہ گیا اس نے سقوط ڈھاکہ کی سیاہی کو مات دے دی۔ دنیا کی تاریخ ظلم و بربریت سے بھری پڑی ہے، ہر دور میں فرعون، نمرود، ہلاکو خان، چنگیز خان اور ہٹلر جیسے لوگ ظلم و بربریت کی داستانیں تحریر کرتے رہے ہیں مگر شاید آج تک کسی نے چند منٹوں میں 132 معصوم بچوں کو اپنی سفاکیت کی بھینٹ نہیں چڑھایا ہوگا۔ درندہ صفت ظالمان نے وطن عزیز میں جنازوں، عید گاہوں، عبادت گاہوں، مزاروں، حساس اداروں کے ہیڈ کوارٹرز، گلیوں، بازاروں، بسوں، ویگنوں، مجلسوں، جلسے، جلسوں تربیتی گاہوں، ہوٹلوں، ہوائی اڈوں، ٹرینوں سمیت درس گاہوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا۔ حساس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ملازمین کے سر قلم کر کے فٹ بال کھیلنے کے غیر انسانی افعال بھی سرانجام دیئے مگر پشاور میں معصوم بچوں پر جس بہیمانہ انداز میں درندگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس سے نہ صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی طور سطح پر بھی درد محسوس کیا گیا ہے۔ شاید یہ ظلم کی وہ آخری حد ہے جس کے بعد برداشت غم اور غصے کی شکل اختیار کر انتقام کے رستے پر جا نکلتا ہے۔ آج پوری قوم بلبلا اٹھی ہے، ہر آنکھ اشک بار ہے، اور ہر ذہن میں ایک ہی سوال ہے کہ ان بچوں کا کیا قصور تھا؟ حکومت سمیت دیگر ریاستی اداروں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ جن کی کارکردگی پر سوالیہ نشان موجود ہو ایسے لوگوں سے میٹھی گولی یا کورے جواب کی توقع رکھنی چاہیے۔ کپڑا پھٹتا ہے مالک کا، دھوبی کا کیا جاتا ہے۔۔ صرف چھو......بس اسی انداز سے ہمارے حکمران سوچتے ہیں۔ بچے عوام کے شہید ہوئے ہیں جن میں اکثریت ان کی ہے جن کے سرپرست مسلح افواج میں اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ حکمران طبقہ اذیت اور کرب کی گھڑی میں پشاور پہنچا جن کے چہرے اور حرکتوں سے اس بات کا صاف اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کو اس المناک سانحہ کا کتنا دکھ ہوا ہے۔ اگر ان کا اپنا جگر کا ٹکڑا ان میں شامل ہوتا تو کیا ان کا رویہ ایسا ہوتا؟ تین روزہ سوگ کا اعلان کرنے کے باوجود اپنا پروٹوکول کم نہیں کیا، اپنی سیکیورٹی کم نہیں کی۔ ہمیشہ کی طرح مذمت، رپورٹ، کمیٹی، کمیشن اور وہی پرانے بیان اور وعدے۔ اس کے بعد پھر کوئی نیا سانحہ رونما ہوگا اور اس کو بھلا دیا جائے گا۔ میڈیا پر بھی دوران سوگ گانے، رقص، ڈرامے اور دیگر اشتہار بازیاں عروج پر رہیں۔ آسٹریلیا کے بیٹسمین فلپ ہیوز ڈومیسٹک میچ کے دوران گیند لگنے سے جاں بحق ہو گئے جس کے سوگ میں کرکٹ آسٹریلیا نے بھارت کے ساتھ ٹیسٹ میچ موخر کر دیا مگر ہمارے 132 معصوم شہید ہو جاتے ہیں اور تین دن کے قومی اعلان کے باوجود پاکستان کرکٹ بورڈ نیوزی لینڈ کے

ساتھ ون ڈے میچ ملتوی یا موخر کرنے کی اخلاقی جرات نہیں کرتا، چیئر مین کرکٹ بورڈ پر اس بے شرمی پر چار حرف ہی بھیجے جا سکتے ہیں لیکن اس سے حکومت کی اپنی سنجیدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

برطانیہ میں 1996ء میں Dunblane school میں خون کی ایسی ہی ہولی کھیلی گئی جس میں ایک ٹیچر سمیت سولہ طالب علم جن کی عمریں پانچ سے چھ برس کے درمیان تھیں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ برطانیہ کے نمبر 1 ٹینس سٹار اینڈی مرے بھی اُس وقت اسی سکول میں تھے اگر وہ بھی کسی گولی کا نشانہ بن جاتے تو برطانیہ کے لیے ومبلڈن اور یو۔ ایس اوپن کا اعزاز جیتنے والے واحد کھلاڑی نہ بن پاتے۔ اس کیس میں مجرم تھامس واٹ ہملٹن کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد کیس کی مکمل تحقیق کروائی گئی۔ پارلیمنٹ نے اپنا کردار ادا کیا اور پرائیویٹ ہینڈ گن اور دیگر اسلحہ رکھنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جان میجر کی حکومت میں (.22 calibre single-shot weapons) کے علاوہ دیگر اسلحہ رکھنا غیر قانونی قرار دیا گیا مگر ٹونی بلیئر کی حکومت نے اسے رکھنا بھی غیر قانونی قرار دیا۔ 7/7 لندن دہشت گردی کا واقعہ ہوا تو اس کے بعد سیکیورٹی مزید سخت کر دی گئی۔ آج لندن بسوں، ٹرینوں، ٹرام، زیر زمین ٹرینوں کے علاوہ دیگر مقامات پر سی ٹی وی کیمرے نصب ہیں اور سادہ لباس میں حساس اداروں کے ملازم عام لوگوں میں حفاظتی اقدامات مزید بہتر بنانے کے لیے گشت کرتے رہتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں لندن کے کئی مقامات سے دہشت گردوں کو مشن پورا کرنے سے پہلے ہی دبوچ لیا گیا۔ 2011ء میں لندن میں ہونے والے ہنگاموں میں ملوث افراد کو قرار واقع سزا دی گئی۔ چند ہفتے قبل ایک سولہ برس کے طالب علم نے اپنی ٹیچر مادام Ann Maguire کو چاقو کے وار کر کے ہلاک کر دیا جس کے بعد قانون کے مطابق اس لڑکے کو سزا دی گئی۔ وطن عزیز میں حیران کن طور پر سب سے بڑے جرم یعنی قتل کی سزا پھانسی یا سزائے موت پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ دہشت گرد پہلے تو پکڑا ہی نہیں جاتا، اگر کوئی پکڑنے کی جرات کر لے تو اس کے خلاف ثبوت اور گواہی کی عدم دستیابی کی بنا پر جج صاحبان سزا نہیں سناتے، اگر کوئی خود اقبال جرم کر لے تو اس کو سزائے موت سنانے کے باوجود پھانسی پر نہیں لٹکایا جاتا بلکہ عوام کے ٹیکس کے پیسے سے ان کو جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔ جہاں سے ان کو بڑی دیدہ دلیری سے آزاد بھی کروا لیا جاتا ہے۔ اگر دہشت گردوں کو بلا تاخیر سخت سزائیں دی جاتیں تو ہو سکتا ہے آج پشاور کا سانحہ رونما نہ ہوتا۔ چیف آف آرمی سٹاف نے پہلی بار اپنی گھن گرج دکھائی تو دھرنا بھی ختم ہو گیا اور میاں صاحب نے پھانسی پر عائد پابندی بھی ختم کر دی۔ اب دیکھتے ہیں کہ حکومت دہشت گردوں کے خلاف کیا پالیسی مرتب کرتی ہے۔ دہشت گرد تنظیموں کو کالعدم قرار دینے سے ان کی کارروائیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اس کے لیے اسلحہ پر مکمل پابندی لگانا ہو گی، مذہبی انتہاء پسندی اور فرقہ واریت کو فروغ دینے والے تمام عناصر سے سختی سے نمٹنا ہو گا، جہاد کے نام پر اسلام کا نام بدنام کرنے والوں کو، ان کی مالی یا اخلاقی معاونت کرنے والوں کو بھی نشانہ عبرت بنانا ہو گا۔ تلخ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا کوئی ادارہ ایسا نہیں جہاں طالبانی سوچ کے حمایتی موجود نہ ہوں۔ کیا میاں صاحب طالبان کے خلاف عملی اقدام کر سکتے ہیں؟ وہ تو طالبان کی کھلے الفاظ میں حمایت کر چکے ہیں۔ عمران خان صاحب نے تو اسلام آباد میں ان کا آفس کھولنے کی تجویز بھی دی تھی۔ جماعت اسلامی کی نرسری میں طالبانزیشن پروان چڑھی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی طالبان پر اتنی شفقت ہے کہ جہاں بھی وہ ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوتے ہیں وہاں کی جیل توڑ کر دہشت گرد فرار ہو جاتے ہیں۔ میڈیا میں بھی طالبان کے

حمایتی نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کی ترجمانی میں فوج سمیت کسی ادارے کو بھی ہدف بنانا پڑے تو وہ نمک حلالی کرنے میں ذرا بھی نہیں چوکتے۔بدقسمتی سے مسلح افواج میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی سوچ طالبانی یا ضیائی ہے۔آرمی پبلک سکول پشاور سمیت دیگر حساس مقامات پر دہشت گردی کے واقعات ہونے میں اندورنی مدد کے عنصر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔عمران خان نے 142 معصوم لوگوں کی قربانی کے بعد گیند میاں صاحب کے کورٹ میں ڈال دی ہے۔اب میاں صاحب کا اصل امتحان ہو گا،دہشت گردی اب ہمارا قومی مسئلہ بن چکی ہے،جمہوریت اور معاشی حالت سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے۔یہ عوام کی طرف سے ہی نہیں بلکہ فوج کی طرف سے بھی میاں صاحب کو آخری موقع دیا گیا ہے۔پھولوں کے چمن کو پھر سے برباد ہوتا دیکھنے کی سکت اور ہمت شاید اب عوام میں نہیں۔آج عالم برزخ میں ذوالفقار علی بھٹو حیرت میں مبتلا پاکستانی پالیسی میکرز کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے سوچ رہے ہوں گے کہ تم کیسے لوگ ہو کہ پہلے دہشتگرد پیدا کرنے کیلئے مجھے پھانسی چڑھا دیتے ہو اور پھر دہشتگردوں کو پھانسی دینے کیلئے معصوم بچوں کی مقتل سجنے کا انتظار کرتے رہتے ہو۔۔۔ہم نے راہِ شوق میں اک قدم غلط اٹھایا تھا اور ہم آج تک منزل کیلئے بھٹک رہے ہیں۔۔۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

18-12-2014